نجم الہدیٰ لرجم الہویٰ

از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝

قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہونے لگے۔ یہ تمہارا ساتھی نہ راہ بھٹکا اور نہ غلط راستہ ہو لیا۔ اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتا ہے۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے، جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔ ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے۔ جو بڑا طاقتور ہے۔ پھر وہ فرشتہ اپنی اصلی صورت پر نمودار ہوا۔ ایسی حالت میں کہ وہ بلند کنارے پر تھا۔ پھر وہ نزدیک آیا سو دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی۔ کوئی غلطی نہیں کی قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں تو کیا تم ان سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو۔ اور انہوں اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کے قریب جنت الماویٰ ہے۔ جس وقت کہ ڈھانک رہی تھی سدرۃ المنتہیٰ کو وہ چیز جو کہ ڈھانک رہی تھی۔ نگاہ نہ ہٹی اور نہ بڑھی حد سے

(۱۷ تا ۱ - ۵۳)

گذشتہ سال اسی جلسہ کے موقع پر میں نے عصمت انبیاء علیہم السلام کا مضمون بیان کیا تھا۔ اس وقت جو آیتیں میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ اس سے بھی میرا مقصود عصمت انبیاء ہی کا بیان کرنا ہے۔ یہ آیتیں سورۂ نجم کی ابتدائی آیتیں ہیں۔ جو میرے مضمون کے لحاظ سے تو مناسب ہی ہیں، ویسے بھی باعتبار نظم قرآنی کے مشکل ہیں اور تفسیر کے لحاظ سے مشکلات قرآن میں سے ہیں، آج سے کئی سال قبل بھی میں نے ان آیتوں سے حجیت حدیث کا مضمون بیان کیا تھا۔ اور آج اسی سے انشاء اللہ عصمت انبیاء کا مضمون بیان کرنے کا ارادہ ہے تاکہ گذشتہ سال کے مضمون کا تکملہ اور تتمہ ہو جائے، پہلے ان آیات کا ترجمہ بیان کر دوں۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى — قسم ہے ستارے کی جب وہ اُوپر سے نیچے کی طرف اُترے

"ہوٰی" کے دو معنی ہیں، اوپر سے نیچے آنا۔ اور نیچے سے اُوپر چڑھنا دونوں معنی آتے ہیں، اور بعض صحابہ سے اس کا ترجمہ اس طرح منقول ہے کہ قسم ہے، ستارے کی جب وہ غروب ہو جائے۔ اور اس معنی کو ترجیح ہے، عربی کا قاعدہ ہے۔ اور ویسے بھی ہر زبان میں یہی ہے، کہ ہر قسم کے بعد جواب قسم مذکور ہوتا ہے۔ یعنی قسم کھا کر جو بات کہی جاتی ہے وہ جواب قسم کہلاتی ہے۔ اس جگہ جواب قسم اگلی آیات ہیں۔ یعنی،

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى — تمہارے ساتھی گمراہ نہیں ہوئے نہ بے راہ ہوئے

اس جگہ صاحبکم سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اور صاحبکم فرما کر دراصل مشرکین مکہ پر حق تعالےٰ نے تازیانہ مارا ہے۔ کہ جو شخص ہر وقت اور ہر لحظہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور تم ہر وقت اس کو دیکھتے ہو۔ اور اس کی ہر حالت اور ہر نقل وحرکت سے باخبر ہو۔ پھر اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے ہو کبھی اس کو دیوانہ اور مجنوں کہتے ہو، اور کبھی اُس کو بے راہ اور گمراہ گردانتے ہو۔ حالانکہ اس کی ہر بات حکمت و دانائی سے پُر ہے اور اس کا ہر فعل اور ہر نقل وحرکت عقل و فہم پر مبنی ہے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى — کوئی بات اپنی زبان سے نفسانی خواہش سے نہیں نکالتے

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى عَلَّمَهٗ — نہیں ہے ان کا نطق مگر وحی ہے، جو بھیجی جاری ہے اس

شَدِيْدُ الْقُوٰى — کو تعلیم دی ہے ایسے فرشتے نے جس کی قوتیں حد کمال کو پہنچی ہوئی ہیں

مراد اس سے جبریل علیہ السلام ہیں، مراد اس سے یہ ہے کہ ان کی ہر قسم کی قوتِ اعلیٰ درجہ کی ہے قوتِ علم۔ قوتِ عقل۔ قوتِ حافظہ وغیرہ۔

ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى — بڑے حسن و جمال والے ہیں، سیدھے کھڑے ہو گئے نبی کے سامنے۔

اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جو وحی الٰہی نازل ہوتی رہی، وہ جبریل علیہ السلام ہی کی وساطت سے نازل ہوئی تھی۔ مگر اُن کے پاس حضرت جبریلؑ ہمیشہ آدمی کی صورت میں تشریف لاتے تھے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو دو دفعہ اُن کی اپنی اصلی شکل میں دیکھا ہے۔ ایک دفعہ تو ابتدائی زمانہ بعثت میں جب آپ غار حرا میں تشریف رکھتے تھے۔ اور "اقرأ" کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئے

کچھ عرصہ گذرا تھا۔ اور اس کے بعد وحی آنا بند ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کو بے حد رنج تھا۔ اور آپ پہ یہ وحی کا بند ہوجانا حد درجہ شاق تھا۔ حضرات! خدا جانے اللہ کے نبی پر کیا گزری ہوگی۔ صحیح بخاری میں اس کا ذکر ہے کہ آپ اس درجہ پریشان ہوئے۔ کہ ایک دفعہ پہاڑ پر اس نیت سے چڑھ گئے کہ پہاڑ پر سے اپنے کو گرادیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اسی وقت حضرت جبریلؑ ظاہر ہوئے اور آپ کو تسلی دی اور اس آیت میں اسی کا بیان ہے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود — گر ز باغ دل خلالے کم بود

ہجر سے بڑھ کر مصیبت کچھ نہیں — اس سے بہتر ہے کہ مر جاؤں کہیں

یعنی اگر دل کے چمن میں سے ایک تنکا بھی کم ہوجائے تو سالک پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں، تو حضرات جب سالک کو اس قدر غم ہوتا ہے۔ تو نبیؐ کے غم اور قلق کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ روح المعانی میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلِ الْمَلَائِکَۃِ — کیا میں تم کو نہ بتادوں کہ ملائکہ میں سب سے افضل کون سا فرشتہ ہے۔

صحابہ نے عرض کیا کہ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللہ! کہ کیوں نہیں، ضرور بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جِبْرِیْلُ

غرض حضرت جبریل اُس وقت اپنی شکل میں ظاہر ہوئے۔ جن کی تمام ظاہری اور باطنی حافظے وغیرہ کی قوتیں حد کمال کو پہنچی ہوئی ہیں۔

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنٰى — اور وہ فرشتہ اُس وقت افق اعلیٰ پر تھا۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگئے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جب آپ نے جبریل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ تو آپ بے ہوش ہوگئے اور اس جگہ یہ شبہ نہ کرنا چاہیئے کہ جب آپ فرشتوں سے افضل ہیں تو آپ ان کو دیکھ کر کیوں بے ہوش ہوگئے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاجِ روحانی تو بلاشبہ ملائکہ سے بالاتر تھا۔ مگر بشری مزاج میں اتنی قوت نہیں تھی اس لئے بیہوش ہوگئے غرض اب جبریل علیہ السلام قریب ہوئے۔

فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى
فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى

اور قریب ہوئے اور اتنے قریب ہوئے کہ دو کمان کی برابر فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم پھر اللہ کا پیغام پہنچایا آپ کو،

یہ ان آیات کا اجمالی ترجمہ ہے۔ اِن آیات میں ایک تو ذکر ہے۔ حضرت جبریل کے اوصاف کا اور مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰى اور مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى الخ میں ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا، اس مقام پہ سب سے اول محل اشکال یہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ ایک مخلوق یعنی ستارے کی قسم کھائی

ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی کئی جگہ قرآن مجید میں مخلوقات کی قسم کھائی گئی ہے، مثلاً یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ اس جگہ قرآن مجید کی قسم کھا کر آپ کی رسالت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور سورۂ صٰفّٰت میں فرشتوں کی قسم کھا کر اپنی وحدانیت کا ذکر کیا ہے۔ اور سورۂ وَالذّٰرِیٰت اور وَالْمُرْسَلٰت میں فرشتوں کی قسم کھا کر قیامت کا ذکر کیا ہے غرض کہیں تو اپنی وحدانیت کو، کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو اور کہیں قیامت کا ذکر کیا ہے۔ اور اس جگہ خدا تعالیٰ نے ستارے کی قسم کھائی ہے۔ اور قسم کھا کر مشرکین کی اس بات کی تردید کی ہے۔ کہ تم جو کہتے ہو کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے تو یہ بات نہیں ہے نہ یہ دیوانہ ہوا نہ یہ بے راہ ہے بلکہ ٹھیک راہ پر جا رہا ہے۔ دوسرا اشکال اس جگہ یہ ہے کہ قسم اور جواب قسم میں کیا ربط ہے؟ سو امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس کی تحقیق فرمائی اور فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں قسم سے تین باتیں مقصود ہوتی ہیں۔ یا تو یہ کہ قسم کھا کر جو بات کہی جا رہی ہے وہ سچی ہے کیونکہ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ قسم کھا کر کوئی بات کہتے تو جھوٹ نہ بولتے تھے کفار و مشرکین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار کرنے کیلئے آپ کے دلائل و براہین کا تو کوئی جواب بن نہ پڑتا تھا۔ اس لئے کہتے تھے کہ یہ دیوانہ ہو گیا۔ اور اپنے دین کو چھوڑ کر گمراہ ہو گیا ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ اُن کی اس بات کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم قسم کھا کر تم سے کہتے ہیں۔ کہ یہ نہ دیوانہ ہوئے ہیں نہ بے راہ ہوئے، دوسری بات یہ ہے کہ قسم سے کبھی محض تاکید مقصود ہوتی ہے

تیسری بات امام رازیؒ نے یہ فرمائی کہ ایک وجہ قسم کھانے کی یہ ہوتی ہے۔ کہ جس چیز کی خدا تعالیٰ قسم کھاتے ہیں وہ دلیل ہوتی ہے جواب قسم کے لئے مثلاً "یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ" میں قسم تو قرآن مجید کی کھائی ہے اور جواب قسم میں فرمایا اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ یعنی آپ رسول ہیں۔ تو آپ کی رسالت کی دلیل قرآن مجید ہے جو خدا تعالیٰ کا قانون ہے اور دستور ہے۔ اور آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے

اب یہاں اس کو منطبق کیجئے۔ کہ اس جگہ جو خدا تعالیٰ نے ستارے کی قسم کھائی ہے۔ کہ "قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہو جائے" یہ کس طرح دلیل بنے گی مابعد کے لئے۔ سو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کواکب اور نجوم کا ذکر فرمایا اور ایک جگہ فرمایا۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ　　　لوگ ستارے سے راہ پاتے ہیں۔

عرب کا طریقہ تھا کہ وہ دریا میں کشتیوں کا سفر کرتے تھے۔ اور رات کے وقت جب راستہ نظر نہیں آتا تو ستاروں کو دیکھ دیکھ کر راستہ معلوم کرتے تھے۔ اسی شمس و قمر کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا　　　اور سورج چلتا ہے اپنے مستقر پر

اِس سے معلوم ہوا کہ ہر ستارہ کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک مدار کو مقرر کر دیا ہے جو اس کے مطابق چلتا ہے کسی ستارے کی مجال نہیں کہ اپنے مدار اور محور کے سوا کسی دوسری طرف کو گردش کرے، تمام کواکب کے لئے حرکت کیفیت اوقات وغیرہ مقرر کر دیئے ہیں، جن میں کسی قسم کی تبدیلی ناممکن ہے۔ کوئی نہ اپنے دائرہ سے ہٹ سکتا ہے نہ وقت سے مقدم و مؤخر ہو سکتا ہے۔ جب سے یہ عالم پیدا ہوا یہ نظام جاری ہے۔ تو جس طرح ہم نے آسمان پر

ایک ستارہ بنا دیا ہے۔ اسی طرح ایک ستارہ یہ ہے کہ جو ہم نے زمین پر بھیجا ہے۔ جو نبوت و رسالت کا ستارہ ہے، جیسے آسمان کا ستارہ اپنے مدار پر جا رہا ہے۔ اسی طرح یہ زمین کا ستارہ بھی اُسی راہ پر چلتا ہے۔ جو ہم نے اس کو بتا دی اور اُس کے لئے مقرر کر دی جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھ کر راستہ معلوم کرتے ہو، اسی طرح اس نجم نبوت و ہدایت سے ہدایت و راہبری حاصل کرو۔ وہاں دُنیا کا راستہ معلوم کرتے ہو، اس سے آخرت کا راستہ معلوم کرو،

اس جگہ ایک اور اشکال ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے صرف ستارے کی قسم کیوں نہ کھائی "اذا ھویٰ" یعنی جب وہ غروب ہو جائے یا اوپر سے نیچے کو آئے۔ اس قید کے ساتھ کیوں مقید فرمایا۔ یعنی اذا ھویٰ کے ساتھ کیوں مقید کیا۔ سو بعض مفسرین نے تو یہ فرمایا کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج اور آسمانوں پر جانے اور اترنے کا ذکر ہے، اور "ہویٰ" ذو معنیین ہے، کہ اُس کے معنی نیچے سے اوپر جانے کے بھی ہیں۔ اور اوپر سے نیچے اُترنے کے بھی ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے ستارے تھے۔ جب چاہا اللہ تعالیٰ ان کو اُوپر لے گئے اور جب چاہا نیچے لے آئے۔ چنانچہ آگے آتا ہے کہ،

وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی　　　اور بے شک دیکھا ہے جبریلؑ کو آپ نے دوبارہ

تو یہ آپ نے معراج کی شب میں نزول کے وقت دیکھا۔

اور بعض مفسرین نے اس کی وجہ یہ لکھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں غایت درجہ میں مناسبت ہے، جیسا کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰھِیْمَ لَلَّذِیْنَ　　　حضرت ابراہیم سے زیادہ قریب وہ لوگ تھے جن
اتَّبَعُوْہُ وَھٰذَا النَّبِیُّ　　　لوگوں نے اِن کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی ہیں،

تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ تو اُن کی قوم میں دو قسم کے اور دو عقیدوں کے لوگ تھے ایک تو بُت پرست۔ اور دوسرے کواکب پرست، ایک گروہ تو بتوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھا۔ اور ان کی پرستش کرتا تھا۔ اور دوسرا گروہ کواکب و نجوم کی پرستش کرتا تھا اور تمام تغیرات عالم کو انہی کی گردش کا نتیجہ سمجھتا تھا جیسا کہ آج کل بھی نجومیوں کا یہی اعتقاد ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے مشرکین کا رد فرمایا، پھر کواکب پرستوں کا رد فرمایا۔ چنانچہ اپنی قوم کو سمجھانے کے لئے آپ نے ایک دفعہ کواکب اور نجوم اور چاند اور سورج کے بارہ میں بطور فرض یہ کہا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے،

فَلَمَّا رَاٰ کَوْکَبًا قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ　　　جب انہوں نے ستارہ کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے

یعنی انہوں نے اپنی قوم کو ستارہ دکھا کر بطور فرض محال قوم کو سمجھانے کے لئے یہ کہا کہ اچھا جیسا کہ تم اس ستارہ کو ہر بات میں مؤثر سمجھتے ہو، اور اس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو، میں فرض کئے لیتا ہوں کہ یہی میرا رب ہے مگر جب وہ ستارہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ　　　میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسی طرح آپ نے چاند اور سورج کے بارہ میں بھی فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ جب سورج نکلتا ہے۔ تو اُس کا اور رنگ ہوتا ہے۔ یعنی اس میں روشنی اور چمک زیادہ ہوتی ہے۔ اور جب غروب ہونے لگتا ہے۔ تو اور طرح کا ہوتا ہے کہ اُس کی روشنی مضمحل ہو جاتی ہے۔ تو اُس میں یہ تغیرات ہوتے ہیں۔ اور جس میں تغیرات ہوں، وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ نیز یہ کہ ان کواکب پرستوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جب ستارہ طلوع ہوتا ہے۔ تو اس کی تاثیر قوی ہوتی ہے۔ اور جب غروب ہونے لگے تو اس کی تاثیر کمزور ہو جاتی ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا کہ جب تمہارے ہی عقیدہ کے مطابق اس کی تاثیر میں ضعف اور تغیر آ گیا۔ تو تم نے اس کو کیسے رب بنا لیا؟ خدا کی قدرت اور صفت میں ضعف اور کمزوری نہیں آسکتی
ایک معنے بعض اولیاء نے اس کے اور لکھے ہیں، جو بیضاوی کے حواشی میں نظر سے گذرے اور بیضاوی بھی اس جگہ کچھ اشارے کر گئے ہیں کہ "بوجہ احتجاب کے اُس کو محبوب نہیں رکھتا۔

اس کے معنی یہ سمجھ میں آئے کہ جب سورج غروب ہو گیا تو اس کے نور میں وہ پھیلاؤ نہیں رہا۔ معلوم ہوا کہ اس پر بندشیں عائد ہیں۔ اور جس پر بندشیں عائد ہو سکیں وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

بعض عارفین نے ایک اور توجیہہ کی ہے کہ جب آفتاب غروب ہو گیا۔ تو وہ حجاب اور پردے میں چلا گیا اور جو پردے میں چلا گیا وہ محجوب ہو گیا۔ اور جو محجوب ہو گیا وہ مقہور ہو گیا۔ اور جو مقہور ہو گیا مغلوب ہو گیا۔ اور جو مغلوب ہو گیا وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ،

تو چونکہ مکہ معظمہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی بُت پرست اور کواکب پرست دونوں قسم کے لوگ تھے۔ تو اس جگہ "ھویٰ" سے وہی مراد ہے جو "لا احب الافلین" میں مراد ہے کہ بتوں کی طرح یہ ستارے بھی قابل پرستش نہیں اس لئے کہ جو چیز اُوپر سے نیچے گرے وہ خدا نہیں، پس لفظ اذھویٰ میں کواکب پرستوں کے رد کی طرف اشارہ ہے، اور ایک اور بھی اشارہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک جگہ ہے۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ۨ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ۔ ۳۷ : ۷

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی سجاوٹ سے مزین کیا۔ اور کواکب کو ہر شیطان مردود سے حفاظت کا ذریعہ بنایا۔

اس جگہ ستاروں کے دو کام ذکر فرمائے گئے۔ ایک آسمان کی زینت اور دوسرے شیطان سے حفاظت
بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو امور انتظامیہ فرشتوں کے سپرد کئے جاتے ہیں، تو بادلوں میں فرشتے ان کا مکالمہ اور مذاکرہ کرتے ہیں، تو دُنیا کی طرف سے کچھ شیاطین آسمان کی طرف جا کر کان لگاتے ہیں کہ فرشتوں کی ان باتوں کو سُن لیں، ان کو دفع کرنے کے لئے ستاروں سے ان پر شعلے پھینکے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگتے ہیں۔ اگر اتفاقیہ کسی نے کوئی تھوڑی بہت آدھی تہائی بات سُن لی تو وہ اس میں حاشیہ آرائی کر کے کاہنوں تک پہنچاتے ہیں، تو اس جگہ ستارہ کی قسم کھانے سے یہ مطلب ہوا کہ نبی پر جو وحی آرہی ہے وہ ہر طرح محفوظ ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس میں کوئی خلل انداز ہو سکے۔ اب ستارے کی قسم کھانے کے تین فائدے

معلوم ہوئے ایک اشارہ ہوا حالت نزول کی طرف۔ کیونکہ اگر ستارہ بیچ آسمان کے ہو تب اس سے راستہ معلوم نہیں ہوتا جب تک وہ اِدھر اُدھر کو حرکت نہ کرے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی ہر ہر حرکات و سکنات ہدایت کا باعث ہیں، دوسرا فائدہ کواکب پرستوں کا رد۔ تیسرا یہ کہ یہ معلوم ہوگیا کہ وحی الٰہی محفوظ آرہی ہے اور پہروں میں اور حفاظتوں میں اس کو بھیجا جارہا ہے۔

فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۲۷ : ۷۲

پس بے شک اللہ تعالیٰ اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے۔

یعنی ہر طرف پہرے قائم کر دیئے ہیں،

یہاں تک قسم کی تفصیل ہوئی آگے جواب قسم ہے،

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ — تمہارا ساتھی نہ گمراہ ہوا نہ بے راہ ہوا۔

"ضل" ضلال اور "غویٰ" غوایت سے مشتق ہے، اب ضلالت اور غوایت میں فرق سمجھ لیجئے۔ ضلال کہتے ہیں علم میں غلطی کو، یعنی اگر کسی کا علم غلط ہے۔ تو اُس کو ضال کہا جائے گا۔ اور غوایت نیت اور عمل میں جو غلطی ہو اس کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ علم غلط ہے نہ نیت اور عمل غلط ہے علم بھی اعلیٰ درجے کا صحیح اور نیت وعمل بھی صحیح آگے تیسرا لفظ ہے۔

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ — خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا۔

اس جگہ آپ کا کلام اور نطق مُراد ہے۔ یعنی آپ کے دہن مُبارک سے جو کچھ بھی نکلتا ہے۔ اس میں ذرہ برابر ہوائے نفسانی کا شائبہ نہیں ہوتا۔

اس جگہ اللہ تعالےٰ نے "عن الھویٰ" فرمایا ہے، تین احتمال ہو سکتے تھے، کہ بالھویٰ فرماتے یا من الھویٰ فرماتے اور یا جیسا کہ فرمایا ہے "عن الھویٰ" اوّل کا مطلب تو یہ ہوتا کہ ہوائے نفسانی کا تلفظ نہیں فرماتے۔ اس صورت میں بظاہر یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ ہوائے نفسانی کا وجود تو ہے، مگر تلفظ نہیں فرماتے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوتے کہ آپ کے کلام کا مبدار اور منشا ہوائے نفس نہیں ہوتا۔ اور موجودہ صورت میں جگہ "عن" کا استعمال ہوا ہے تو "عن" مجاوزت کے لئے آتا ہے، جیسے "مررت عن یمینہ یا مررت عن شمالہ" یعنی میں اس کے داہنے یا بائیں جانب سے ہو کے گذرا۔ تو اس جگہ مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے کلام کا خواہش نفسانی کی طرف سے گذر بھی نہیں ہوا اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حق بات کہے خواہ وہ کسی نفسانی خواہش سے کہے تو وہ بھی قابل قبول ہوتی ہے کیونکہ حق ہے مگر آپ کی شان یہ ہے کہ کوئی حق بات بھی ایسی نہیں فرماتے جس کا نفسانی خواہش سے گذر بھی ہوا ہو کیونکہ اس جگہ مفعول بہ مقدر ہے اور وہ "بالحق" ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہوا ہے، کہ فی نفسہٖ ایک لطیف اور عمدہ چیز ہے۔ لیکن اگر گلاب کے پھولوں کے پاس سے ہو کر آئے گی تو معطر ہو گی۔ اور اگر کسی گندگی کے ڈھیر اور متعفن کی کوڑی کی طرف سے ہو کر آئے گی تو اس میں متعفن اور بدبو پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح حق بات کہ اپنی ذات میں عمدہ ہے۔ مگر نفسانی خواہش سے گزر

کر آئے تو احتمال ہے کہ اس میں کوئی عفونت اور کدورت مل جائے۔ جس کا احساس اور ادراک کسی لطیف المزاج (یعنی ولی و عارف) ہی کو ہو سکتا ہے۔ آگے ہے۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی　　　　وہ اللہ کی وحی ہے۔ جو نازل ہو رہی ہے

یعنی نبی کی زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے۔ وہ یوں سمجھو کہ اللہ ہی فرما رہے ہیں، "وحی" کہتے ہیں اللہ کے کلام کو جو نبی پر اُترے۔ یعنی دیکھنے میں تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ نبی بول رہا ہے۔ مگر درحقیقت وہ ہمارا پیغام ہے۔ جو نبی کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ہے۔ جو سورۂ نمل میں ذکر ہوا ہے۔ جب وہ اپنی اہلیہ کو لے کر چلے ہیں تو وہ حاملہ تھیں اور راستہ ہی میں جبکہ اندھیری رات تھی۔ اور سردی کا موسم تھا۔ ان کو ولادت کی تکلیف شروع ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی جگہ آگ کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا تو آگ نظر آئی۔ اس کی طرف روانہ ہوئے اور جب وہاں پہنچے تو آواز سُنائی دی۔

اَنْ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَھَا　　(۲۷ - ۸)　　آگ کے اندر جو ذات ہے وہ بابرکت ہے اور اس کے گرداگرد جو ہیں وہ بھی بابرکت ہیں (یعنی فرشتے)

وہب بن منبہ سے روایت ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں سے آواز سُنی۔ تو اس آواز کی شان یہ تھی کہ ہر طرف سے سُنائی دے رہی تھی۔ اور بولنے والا کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ تو اُنہوں نے فرمایا کہ یہ بولنے والا کون ہے۔ کہ میں اس کی آواز آگے سے بھی سُن رہا ہوں۔ پیچھے سے بھی سُن رہا ہوں، اور دائیں اور بائیں اور اُوپر سے اور ہر طرف سے سُن رہا ہوں۔ جواب آیا۔

اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ　　　　میں اللہ ہوں جو زبردست اور حکیم ہے

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کوئی درخت تھوڑا ہی بول رہا تھا۔ بلکہ درپردہ حق تعالےٰ کلام فرما رہے تھے۔ جیسے ٹیلیفون سے آواز آتی ہے۔ تو ٹیلیفون نہیں بولتا۔ بلکہ بولنے والا کوئی اور ہوتا ہے۔ جو ٹیلیفون لئے کھڑا ہے۔ اسی طرح نبی جو ہے وہ خدا کا ٹیلیفون ہے۔ اس کے مُنہ سے جو بات نکل رہی ہے وہ خدا ہی کی بات ہے۔ تم ہمارے احکام کی تعمیل کرو۔ نبی کے حلقوم کی طرف نہ دیکھو، کیونکہ کہنے والا نبی نہیں ہے بلکہ ہم ہیں۔

غزوۂ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدان میں کھڑے تھے۔ سامنے مشرکین کا لشکر ہے آپ نے ایک مُٹھی بھر کر کنکریاں ان کی طرف پھینک دیں جو تمام لشکر کی آنکھوں میں جا گریں، اور سب اپنی آنکھیں ملنے لگے اسی کو فرمایا

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی　　　　جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ ہی نے پھینکیں،

اور بعض نے اس کے معنے کئے کہ آپ نے تیر نہیں چلایا بلکہ اللہ نے تیر چلایا۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے یہی معنی اختیار کئے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ جب تیر چلتا ہے تو دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ تیر کمان سے نکل کر آرہا ہے۔ حالانکہ تیر چلانے والا دراصل وہ ہے۔ جو کمان کے پیچھے کھڑا ہے۔ اور پوشیدہ ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو بات نکل رہی ہے۔ وہ دراصل خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ دیکھنے والا سمجھ رہا ہے۔ کہ آپ فرما رہے ہیں مگر حقیقت میں کہنے والا کوئی اور ہے اور وہ خداوند ذوالجلال ہے۔

اس جگہ تیر چلانے پر ایک فائدہ آخرت کی یاد دہانی کے لئے یاد آیا وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ وعظ فرما رہے تھے اور آپ نے فرمایا کہ یہ آسمان تو کمان ہے اور حوادث تیر ہیں اور تیر چلانے والا خدا ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ اے کلیم اللہ اگر یہ صورت ہے تو پھر اس سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ کمان جس کے ہاتھ میں ہے اس کے برابر جا کر کھڑا ہو جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت قبول کر کے اس کی رحمت و عنایت میں اپنے کو داخل کر دے تو وہ آسمان سے بھی بلند ہو جائیگا۔ غرض مطلب یہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ نبی بول رہا ہے بلکہ ہم بول رہے ہیں۔ اب اس کے آگے جبرئیل علیہ السلام اور ان کی صفات مذکور ہیں کہ جن کے واسطہ سے وحی نازل ہوتی ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى　　　اس کو ایک زبردست اور طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے

اس جگہ اشکال یہ ہے کہ اس کا ماقبل سے کیا ربط ہے؟ مُلا مخدوم جہائمی نامی ایک عالم ہندوستان میں گذرے ہیں جن کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو علم لدنی حاصل تھا اور وہ حضرت خضر کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ایک مختصر تفسیر بھی لکھی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ یہ جملہ "مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" کی دلیل ہے یعنی جب اُس کو تعلیم دینے والا اس قدر قوی اور طاقتور ہے تو پھر وہاں شیطان کی کیا مجال ہے کہ دخل اندازی کر سکے۔ کیونکہ شیطان ملائکہ سے بہت گھبراتا ہے چنانچہ جنگ بدر کا واقعہ ہے کہ شیطان ابوجہل کے پاس اس کے دوست سراقہ کی شکل میں آیا اور کہا کہ میں تمہاری مدد کے لئے ایک لشکر لے کر آیا ہوں تم فکر نہ کرو۔ یہی باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا اور ابوجہل بھی ساتھ تھا۔ جب مقابلہ ہوا اور دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو شیطان نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر میں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور سامنے موجود ہیں۔ یہ دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگا اور ابوجہل سے ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگا۔ ابوجہل نے اس کو روکنا بھی چاہا اور تعجب بھی ہوا کہ یہ سراقہ کیوں اس طرح بدحواس ہو کر بھاگا جاتا ہے اسلئے اس نے کہا ٹھہرو تو سہی مگر وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ ہی گیا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے:۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ
لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ
فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ
وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ ۔ (۸ - ۴۸)

اور جب شیطان نے انکے عمل کو اُن کے واسطے زینت دی اور کہا کہ نہیں غالب تم پر آج کے دن کوئی لوگوں میں سے اور بیشک میں تمہارا حمائتی ہوں۔ پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوگئے تو اُلٹے پاؤں بھاگا اور یہ کہا کہ تحقیق میں بیزار ہوں تم سے اور یہ کہہ کر اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگا۔ اور اس کے جواب میں شیطان نے کہا کہ:۔

اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ وَ　　　میں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے میں خدا سے ڈرتا

اللّٰہُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۔ ہوں اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۔

اس جگہ شیطان نے ایک بات تو سچ کہی کہ "انی اریٰ ما لا ترون" اور اگلی بات جھوٹ کہہ دی کہ "انی اخاف اللّٰہ" جھوٹے کے یہ معنی نہیں کہ اسکی ساری ہی باتیں جھوٹ ہوں۔ بلکہ اگر کوئی شخص دس باتیں بھی سچ کہے اور ایک جھوٹ کہے تو وہ جھوٹا ہی کہلائے گا۔ اس کے آگے جبرئیل علیہ السلام کی دوسری صفت مذکور ہے :۔

"ذُوۡ مِرَّۃٍ" یعنی نہایت حسین و جمیل ہیں۔ جنات میں تو ظلمتیں ہیں مگر ملائکہ کو اتنی نورانیت عطا ہوئی ہے کہ وہ سراپا نور ہیں۔ وہاں نفس اور شیطان کا کہاں گذر؟ اور نحویوں کا قاعدہ ہے کہ جب جملۂ ثانیہ ماقبل کی دلیل واقع ہو رہا ہو تو اس جگہ عطف جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اس جگہ "علمہ شدید القویٰ" کو بغیر عطف ہی کے ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ جملہ پہلے جملہ کی دلیل ہے۔ آگے بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصل صورت میں دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے دل نے غلطی نہیں کی اس چیز کے ادراک کرنے میں جو دیکھا۔ اس کے بعد ارشاد ہے :۔ مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ۔ نظر نے نہ کجی کی اور نہ عدول کیا ۔

بادشاہوں کے دربار کا اور وہاں کی حاضری کا ادب یہ ہوتا ہے کہ بعض چیزوں کے دیکھنے کی اجازت ہوتی ہے اور بعض چیزوں کے دیکھنے کی ممانعت ہوتی ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ وہاں پر آپ کی نگاہ نے ذرہ برابر کجی اور عدول نہیں کیا جن جن چیزوں کے دیکھنے کی اجازت تھی انہی کو دیکھا اور جہاں تک نظر ڈالنے کی اجازت تھی وہیں تک نظر پہنچی۔ نہ آگے بڑھی نہ پیچھے ہٹی ایسا نہیں ہوا کہ جن چیزوں کے دیکھنے کو کہا ہو ان میں سے کسی چیز کو نہ دیکھا ہو یا جن چیزوں کے دیکھنے کی ممانعت کی گئی ہو ان میں سے کسی کو دیکھا ہو۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات میں پانچ چیزوں کی عصمت کا بیان ہوا۔ (۱) مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ سے علم میں عصمت کا پتہ چلا کہ آپ کا علم ایسا ہے کہ اس میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں اور (۲) مَا غَوٰی میں عمل اور نیت کی عصمت معلوم ہوئی کہ آپ کا عمل اور نیت بھی بالکل صحیح ہیں اور (۳) "مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی" میں نطق اور گویائی اور کلام کی عصمت ثابت ہوئی کہ آپ کا کلام خدا ہی کا کلام ہے اسی طرح قلب (۴) کے ادراک میں بھی کوئی غلطی نہیں ماکذب الفواد میں ادراک قلب کی عصمت کا بیان ہے اور (۵) نگاہ اور بینائی میں بھی کسی قسم کی غلطی کا کوئی احتمال نہیں ما زاغ البصر و ما طغیٰ اسی عصمت بصر کا بیان ہے الحاصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا علم بھی معصوم عن الخطاء ہے اور آپ کی نیت اور عمل بھی معصوم عن الخطاء ہے اور آپ کا نطق اور کلام بھی معصوم عن الخطاء ہے اور آپ کا ادراک قلبی اور احساس بصری بھی معصوم عن الخطاء ہے لہٰذا ایسی ذات بابرکات کے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کے حجت ہوتے ہیں کوئی دیوانہ ہی تردد کر سکتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپ نے دو مرتبہ اپنی صورت میں دیکھا ایک تو ابتداء بعثت میں جبکہ آپ وحی کے منقطع ہو جانے سے حد درجہ مغموم تھے اور دوسرے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جہاں جنۃ الماویٰ ہے ۔ اسلئے آپ حضرت جبرئیل امین کو خوب اچھی طرح پہچانتے ہیں کوئی مغالطہ نہیں ہو سکتا اور یہ اسلئے فرما دیا کہ شیاطین کاہنوں کے پاس واہی تباہی خبریں لیکر آتے تھے اور آپ اس سے ہر طرح پاک اور معصوم ہیں آپ کے پاس جو وحی آتی ہے وہ فرشتہ لیکر آتا ہے معاذ اللہ کاہنوں کی طرح کوئی شیطان آپ کے پاس نہیں آتا اور آپ جبریل امین کو خوب پہچانتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام آپکے پاس خواہ کسی صورت میں آئیں تو آپ پہچان لیں گے ۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدت را می شناسم

حضرت فریدالدین عطارؒ کی منطق الطیر میں اشعار ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت جبریل امین آپ کے خادم بن گئے کیونکہ آپ کی وفات سے قبل ایک دفعہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو آپکے جاں نثار خادم اور صحابی ہیں) کی صورت میں حاضر ہوئے اور ایک دفعہ صحابہ کو تعلیم دینے کیلئے آپ سے احسان وغیرہ کے متعلق چند سوالات کرنیکے لئے ایک اجنبی مسافر کی صورت میں تشریف لائے جس کا ذکر بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے اس میں یہ اشکال ہے کہ اس وقت آپ سے جب انکے چلے جانے کے بعد صحابہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کون تھے؟ تو آپ نے تھوڑے سے تامل کے بعد فرمایا کہ یہ جبریل تھے تو آپ کے تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انکو پہچانا نہ تھا بلکہ کچھ دیر کے بعد پہچانا سو اس کا جواب حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے دیا ہے کہ جب حضرت جبریل آپ کے پاس وحی اور پیغام الہٰی لیکر آتے تھے تو آپ فوراً بلا تاخیر پہچان لیتے تھے۔ مگر اس وقت وہ چونکہ وحی لیکر نہ آئے تھے بلکہ دین کا خلاصہ بتانے کیلئے ایک غیر معروف سائل کی صورت میں نمودار ہوئے اسلئے تھوڑی دیر کچھ اشتباہ ہوگیا اور پھر فوراً ہی تنبہ ہوگیا۔

اب غور کرنیکی بات یہ ہے کہ اس جگہ جو حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جبریل علیہ السلام دونوں کے اوصاف کا ذکر فرمایا اس سے مقصود کیا ہے؟ تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ تعدیل ہے سندِ وحی کی کیونکہ ہمارے تک جو وحی خدا تعالیٰ کی طرف سے پہنچی ہے اس میں دو واسطے ہیں۔ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے جبریل علیہ السلام۔ یعنی سند اس طرح ہے کہ حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال حدثنا جبریل علیہ السلام قال حدثنا اللہ عز وجل اس لئے دونوں راویوں کی جو ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ ہیں صفات بیان فرما دیں اور یہ اسناد شرط بخاری پہ ہے۔ اول تو راویوں کا حال معلوم ہونا ضروری ہے دوسرے یہ بھی شرط ہے کہ مروی عنہٗ سے راوی کا لقاء بھی ثابت ہو۔ اسلئے یہ بھی فرما دیا کہ آپ نے جبرئیل امین کو دو دفعہ دیکھا ہے۔ ان آیات میں راوی کا مروی عنہٗ سے بالمشافہ لقاء کو بیان فرمایا اب روایت علی شرط البخاری ہوگئی اور شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ ہم کو وحی تین واسطوں سے پہنچی ہے ایک صحابہ کرامؓ دوسرے نبی کریمؐ تیسرے جبرئیلؑ۔ اگر ان میں سے کسی ایک واسطہ پر بھی کلام کرو گے تو دین ختم! اسلئے صحابہؓ کرام کو بھی ماننا پڑے گا۔ اب

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى کوئی غلطی نہیں کی قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں۔

کے معنی بھی سمجھ لیجئے۔ جمہور کے نزدیک اسکے معنی یہ ہیں کہ اس سے مراد حضرت جبرئیلؑ کا دیکھنا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے شب معراج میں اللہ کا دیکھنا مراد ہے یعنی یہ ہیں کہ جو تجلیات الہٰی نظر نے دیکھیں ان کو قلب نے غلط نہیں سمجھا بلکہ قلب بھی اس کی تصدیق کرتا گیا اور رویت بصر اور رویت قلب میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا۔ علامہ زرقانیؒ کا قول ہے کہ حافظ ابن حجر نے "مَا كَذَبَ الفؤاد ما رأىٰ" کے معنی یہ بیان کئے کہ فؤاد کے معنی دل اور رأىٰ کے معنی سر کی آنکھ سے دیکھنے کے ہیں یعنی انسان کی ایک آنکھ تو سر میں ہے اور ایک آنکھ دل میں ہے اور ان دونوں کے ابصار میں اور دیکھنے میں فرق ہے یعنی آنکھ کا دیکھنا اور طرح کا ہوتا ہے اور دل کا دیکھنا اور طرح کا ہوتا ہے لیکن شب معراج میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو آپ کی دونوں ابصار کی قوتیں ایک قسم کی بنا دی گئی تھیں۔ اب آیت کے معنی یہ ہوئے کہ آپ کی دونوں قوتوں میں کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ وہ بمنزلہ قوت واحدہ کے ہو

گئی تھیں۔ اسی کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک اور روایت میں فرمایا :۔

مجعل نور بصری فی فؤادی　　　میری آنکھ کا نور میرے دل میں ڈال دیا گیا۔

اور اس طرح آپ نے جو کچھ دیکھا اور سنا دل نے اس کی پوری پوری تائید کی کسی بزرگ کے شعر ہیں :۔

کلام سرمدی بے نقل بشنید　　　خداوند جہاں را بے جہت دید

اور بے جہت کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ تو کسی جہت میں نہ تھے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہت میں تھے۔ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ یہ تو ثابت ہے کہ حق تعالیٰ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ وہ بے جہت ہے اور ہم سب جہت میں ہیں اسی طرح اس کا عکس بھی ممکن ہے کہ ہم حق تعالیٰ کو دیکھیں کہ ہم تو جہت میں ہوں اور وہ جہت سے پاک اور منزہ ہو۔ اگلا شعر یہ ہے :۔

در آں دیدن کہ حیرت حاصلش بود　　　دلش در چشم و چشمش در دلش بود

اب آخری آیت کے متعلق بیان رہ گیا۔ ہمت نہیں رہی پھر کبھی انشاء اللہ موقع ملا تو عرض کرونگا۔ دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ہمارا خاتمہ اپنی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اطاعت پر فرمائے اور اسی پر حشر ہو۔ آمین یا رب العالمین۔

بقیہ شرح مثنوی مولانائے رُوم صنہ ۲

ہی کی وجہ سے فرشتے معصوم اور پاک ہیں۔

(۱۸)　بُد ز گستاخی کسوفِ آفتاب　　　شد عزازیلے ز جرأت ردّ باب

انسانوں کی سرکشی اور گستاخی ہی کی وجہ سے خدا انھیں خوف دلانے کے لئے کبھی کبھی آفتاب کو بے نور کر دیتا ہے (کسوف بمعنی سُورج گرہن) اور تکبر (جرأت) ہی کی وجہ سے عزازیل (شیطان) راندۂ درگاہ ایزدی ہوگیا۔

(۱۹)　حالِ شاہ و میہماں برگو تمام　　　زانکہ پایانے ندارد ایں کلام

اب بادشاہ اور اس کے مہمان کا حال پورے طور سے بیان کرو کیونکہ یہ بات تو ایسی ہے کہ اس کی تفصیل کی کوئی انتہا نہیں ہے ✦

ضروری التماس جلد دوم کا چھٹا نمبر آپکی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے اس شمارہ کیساتھ کئی حضرات کی مدت خریداری ختم ہو جائے گی۔ اُن کے پتوں کی سلپ پر خریداری نمبر پر سرخ نشان لگا دیا ہے وہ آئندہ سال کیلئے چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں منی آرڈر بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر اُن کی طرف سے نہ منی آرڈر آیا اور نہ کوئی اطلاع تو آئندہ پرچہ اُن کو بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا۔ جو اُنہیں ضرور وصول کرنا ہوگا۔ ورنہ ادارہ کو سخت نقصان ہوگا۔ یہ ماہنامہ جو کہ دینی اور تبلیغی ہے اُسے جاری رکھنے کے لئے ادارہ کی حوصلہ افزائی بھی فرمادیں اور ثواب دارین بھی حاصل کریں۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ :- **دفتر ندائے حق ۳ اوتکار روڈ۔ کرشن نگر۔ لاہور**